عہد نبوی کے غزوات وسرایا
اور
ان کے ماخذ پر ایک نظر

(۱۱)

سعید احمد اکبر آبادی

حبشہ میں مسرت

غزوۂ بدر میں اسلامی لشکر کی فتح کی خبر دور دور پہونچی۔ چنانچہ البدایۃ والنہایۃ (ج ۳ ص ۳۰۸) میں ایک روایت ہے کہ شاہ حبش (نجاشی) کو اس کے ایک مخبر نے اس کی اطلاع دی تو نہایت مسرور ہوا اس نے فوراً حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقار کو بلاکر ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو خوشخبری ہو۔ میرے ایک مخبر نے مجکو آکر بتایا ہے کہ بدر کے میدان میں ابھی حال میں ایک سخت جنگ ہوئی تھی، اس میں خدا نے اپنے نبی کی مدد کی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا۔ اور فلاں فلاں سردار مارے گئے، نجاشی اس وقت پھٹے پرانے کپڑے پہنے زمین پر بیٹھا تھا۔ حضرت جعفر نے پوچھا: "یہ کیا!" جواب دیا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ ہم کو بتایا ہے کہ تحدیث بالنعمۃ کا طریقہ یہ ہے، اللہ نے چونکہ اپنے نبی کو فتح دی ہے اس لئے میں اس کا شکرانہ اس طرح ادا کر رہا ہوں۔"

شعرا نے دونوں طرف کثرت سے اشعار اور قصائد لکھے جو سیرت ابن ہشام، البدایۃ والنہایۃ اور دوسری کتب سیر و مغازی میں منقول ہیں۔

اسبابِ فتحِ عظیم

اب اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس عظیم الشان فتح کے اسباب کیا ہیں؟ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے لگاتار فرشتے بھیجے تھے چنانچہ ارشاد ہے:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ
أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ
وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ
قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

(الانفال)

یاد کرو کہ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری فریاد سنی اور کہا: میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو لگاتار آتے رہیں گے اور اللہ نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہارے دلوں کو اطمینان اور خوشخبری ہو، اور فتح تو صرف اللہ کی دین ہے، بیشک اللہ اپنے ارادوں میں غالب اور حکیم ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ فرشتے امداد و نصرت خداوندی کی علامت ہیں۔ جیسا کہ مذکورۂ بالا آیت میں "وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ" سے ثابت ہے، اور پھر آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد اس لئے کی تھی کہ تمہارے دلوں کو ڈھارس رہے اور تم پر بزدلی طاری نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر غزوۂ احد میں بھی تو یہی پیغمبر اور یہی مجاہدین تھے اور دشمن بھی یہی لوگ تھے، پھر وہاں فرشتوں کی مدد کیوں نہیں آئی اور مسلمان عروسِ کامرانی سے ہم کنار نہ ہو سکے؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت (دستور، قانون، طریقہ) ہے جس میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ ارشاد ہے:

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝ — تم ہرگز اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ — " " " "

اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد انھیں لوگوں کی کرتا ہے جو اپنی مدد حسنِ تدبیر اور عملی جد و جہد کے

ذریعہ کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے: "خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے"۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: "انسان کو وہی چیز ملتی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے" اور یہ ایک دو آیتیں کیا پورا قرآن ہی دعوتِ ایمان و عمل ہے۔ اسی مضمون کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ہر کامیابی و ناکامیابی کے لئے دو قسم کے اسباب ہوتے ہیں ایک اسباب ظاہری اور دوسرے اسباب معنوی۔ انسانی سعی و عمل کا شمار اسباب ظاہری میں ہے اور خدا کی نصرت و مدد جس میں امورِ کونیہ بھی شامل ہیں اسباب معنوی میں داخل ہیں۔ سنتِ الٰہی کے مطابق اسباب معنوی کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے جبکہ انسان پہلے اپنے لئے اسبابِ ظاہری مہیا کرے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ — اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔

یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک طرف مستشرقین ہیں جو اسباب مادی کے علاوہ کسی اور چیز کے قائل نہیں اور دوسری جانب بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ ہے جس نے زندگی میں فتح و کامرانی اور حصول مراد و تمنا کا انحصار اسباب روحانی پر اٹھا کر رکھ دیا ہے۔

بدر میں فتح کے اسباب ظاہری حسب ذیل تھے:

ایمان و یقین صحابہ کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان۔ اور اس بات کا یقینِ کامل کہ ان کی حیات اور موت سب رضائے رب کے لئے ہے، جام شہادت نوش کرتے وقت ان کے ہر بنِ مو سے جو صدا آتی تھی وہ یہی تھی کہ:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس بنا پر ان کے دلوں میں تردد و تذبذب نہیں تھا بلکہ اپنے مقصد کی صداقت پر جزم و اذعان تھا اور ان میں باہم اتحاد اور یک جہتی تھی، ان کی یہی وہ صفت تھی جو نفسیاتی حیثیت سے دشمن کو مرعوب

اور ہیبت زدہ کردیتی تھی، چنانچہ ایرانی فوج کے سپہ سالار (رستم) نے ان کو دیکھکر کہا تھا کہ جس قوم نے موت کو اپنا معشوق بنالیا ہو اسے کون شکست دے سکتا ہے، یہی وجہ تھی کہ غزوۂ بدر میں دشمن کثرتِ تعداد کے باوجود انھیں ایک مختصر فوج کی شکل میں نظر آیا اور اس کے برعکس یہ قلت تعداد کے باوصف دشمن کو بھاری بھرکم اور کثیر نظر آئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا — اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ خدا تمھاری آنکھوں میں دشمن کی فوج کو کم دکھا رہا تھا۔

اور اس کے برعکس:

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ — دشمن مسلمانوں کو اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے۔

قریش میں بے یقینی اور تردد وتذبذب کی کیفیت

ایک طرف صحابہ میں ایمان ویقین اور عزم وثبات کا یہ عالم تھا اور دوسری جانب قریش کا یہ حال تھا کہ ان کے سامنے چونکہ کوئی بلند نصب العین نہیں تھا۔ حضور اور صحابہ کی بے لوث اور اعلیٰ اخلاق وبلند کردار کی زندگی کا ان کے نہاں خانۂ قلب میں اعتراف موجود تھا اور جن سے وہ لڑنے جارہے تھے ان میں بہت سے لوگ انھیں کے بھائی بند اور رشتہ دار تھے۔ اس بنا پر ابوجہل کے اکسانے پر یہ وقتی اور ہنگامی جوش میں مکہ سے تو چل پڑے، لیکن اُن کے دلوں میں بے یقینی اور تردد وتذبذب کی کیفیت تھی جس کا نتیجہ نفسیات کی اصطلاح میں بادلِ ناخواستہ بہادری (Reluctant Bravery) ہوتا ہے، چنانچہ جیسا کہ گذر چکا ہے، مکہ میں بعض لوگوں نے ابوجہل کی مخالفت کی، راستہ میں ایک قبیلہ کے لوگ اُس سے الگ ہوگئے اور جنگ کے شروع ہونے سے قبل بعض بااثر لوگوں نے اُس کو جنگ سے باز رہنے کی نہائش کی اور عتبہ بن ربیعہ نے اس موقع پر ایک نہایت پرزور خطبہ دیا[1]۔ اور دوسروں کا کیا ذکر! خود ابوجہل کے قلب میں

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۵

یک گونہ انفعالی کیفیت موجود تھی، بعض مورخین کا بیان ہے کہ اخنس بن شریق جو راستہ میں اپنے قبیلۂ بنو زہرہ کو لیکر لشکرِ مکہ سے الگ ہوگیا تھا، جنگ شروع ہونے سے پہلے بدر آیا اور ابوجہل سے تخلیہ میں یہ گفتگو کی۔

اخنس : اے ابوالحکم (ابوجہل کی کنیت) کیا واقعی تم محمد کو کاذب سمجھتے ہو!

ابوجہل : اللہ کے بارہ میں محمد کیونکر جھوٹ بول سکتے ہیں، حالانکہ ہم نے ان کا نام "الامین" رکھ چھوڑا تھا، انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن بنی عبد مناف میں سقایت، رفادت، حجابت، اور مشورہ (مکہ سوسائٹی کے نہایت معزز امتیازات اور عہدے) یہ سب جمع ہوگئے ہیں تو اب اگر نبوت بھی انھیں میں رہی تو ہمارے لئے کیا باقی رہے گا۔[1]

صحابہ کی شجاعت

شجاعت اور دلیری میں قریش عرب میں ممتاز تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقع پر بھی انھوں نے اس کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، بڑی ہمت اور جی داری سے لڑے، لیکن صحابہ نے جس انداز سے دادِ شجاعت و بہادری دی اور جس پامردی سے تعداد اور ساز و سامان دونوں میں اپنے سے کہیں برتر اور طاقتور حریف کا مقابلہ کیا ہے وہ ایمان و یقین اور ایک اعلیٰ نصب العین زندگی کے ساتھ والہانہ وابستگی کی روشن دلیل ہے، حضرت علی اور حضرت حمزہ کا حال تو یہ تھا کہ بجلی کی طرح کوندتے تھے، جس طرف کا رخ کرلیا، میدان صاف کردیا، حضرت عکاشہ بن محصن جو بنی عبد شمس بن عبد مناف میں سے تھے انھوں نے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ تلوار ٹوٹ گئی، حضور کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک درخت کی جڑ اُن کو تھما دی اُن کے لئے یہ جڑ ہی تلوار تھی، اسی سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، اس کا نام العون رکھا جس غزوہ میں جاتے تھے اسے ساتھ رکھتے تھے۔[2]

---

[1] غزوۂ بدر محمد احمد باشمیل ص ۱۵۲

[2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۹۰

حضرت زبیر بن عوام کے کاندھے پر دو زخم اتنے بڑے اور گہرے تھے کہ ان کے صاحبزادہ حضرت عُروہ کا بیان ہے کہ میں بچہ تھا تو ان زخموں سے کھیلتا اور ان میں اپنی انگلیاں داخل کر دیتا تھا۔ یہ دونوں زخم انھوں نے غزوۂ بدر میں کھائے تھے، لیکن اس کے باوجود کثرت استعمال سے ان کی تلوار پر اتنے دندانے پڑ گئے تھے کہ وہ غزوۂ بدر کی یادگار کے طور پر محفوظ کر لی گئی اور خلفائے بنی امیہ تک اُس کی زیارت کرتے تھے[1]۔ حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح کے متعلق روایت ہے کہ لڑتے لڑتے ہاتھ کٹ گیا مگر پروانہ کی اور برابر لڑتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانڈ[2] کوئی فوج کیسی ہی منظم، طاقتور اور بہادر ہو، لیکن اگر اُس کی قیادت (Command) اعلیٰ نہیں ہے تو اُس سے خاطر خواہ نتائج کی توقع نہیں ہو سکتی، غزوۂ بدر میں اسلامی فوج کی عظیم الشان فتح کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس کی قیادت براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور ایسے اعلیٰ پیمانہ پر کی تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے قائدینِ جنگ عش عش کر اٹھے، یوں تو یہ سب حضرات آپ کے دامانِ تعلیم و تربیت کے پروردہ تھے ہی۔ جنگ کے موقع پر آپ نے اُن کی جو قیادت فرمائی اُس کے نمایاں خدوخال یہ چیزیں ہیں:

(۱) جنگ کے لئے بہترین جگہ کا انتخاب فرمایا جہاں سے دشمن پر پانی کی سپلائی کو روکا جا سکتا تھا۔

(۲) لشکر قریش میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں؟ اس سے آپ نے لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ لگا لیا۔

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر

[2] اس موضوع پر میجر محمد اکبر کی کتاب "حدیث دفاع" پڑھنی چاہئے جس میں انھوں نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کے بہترین ماہرِ فنِ حرب تھے۔

(۳) لشکر میں کون کون سے قریش کے جیالے ہیں اور اُن کے پاس کیا کیا ساز و سامان ہے ؟ ایک جاسوس کے ذریعہ آپ نے اس کا پتہ چلالیا۔

(۴) اپنی بصیرتِ خداداد سے میدان جنگ میں گھوم پھر کر آپ نے یہ بھی بتادیا کہ سرداران قریش میں سے کون کہاں مارا جائے گا (صحیح بخاری وسیرت ابن ہشام وغیرہ)

(۵) مزید برآں آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ لشکر قریش میں کون کیسا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کے متعین طور پر نام لیکر آپ نے ہدایت فرمائی کہ انھیں قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ بادل نخواستہ لشکر کے ساتھ آگئے ہیں۔

(۶) جب جنگ شروع ہونے کا وقت آیا تو آپ نے ایک نہایت پرزور اور ولولہ انگیز خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس سے لشکر اسلامی کا حوصلہ بڑھا اور ان میں غیر معمولی جوش پیدا ہوگیا۔

(۷) اس کے بعد خود گھوم پھر کر صفوں کی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ترتیب کی اور پورے لشکر کو میمنہ، میسرہ وغیرہ حصوں میں تقسیم کیا، جنگ کا نعرہ "احد احد" متعین فرمایا۔ منازلت کے لئے جوڑ مقرر فرمائے، زخمیوں کے لئے طبی امداد کا انتظام کیا، مدینہ سے ربط قائم رکھنے کا بندوبست اور لشکر کے لئے سامان رسد کے پہونچنے کا اہتمام کیا گیا (التراتیب الاواریہ للکتانی) علاوہ ازیں آپ نے لشکر کو مندرجۂ ذیل ہدایات دیں :

(الف) جب تک دشمن جنگ میں پہل نہ کرے تم نہ کرنا۔

(ب) دشمن فاصلہ پر ہو تو خواہ مخواہ تیر اندازی کر کے ترکش خالی نہ کرنا۔

(ج) دشمن پیشقدمی کرے تو فاصلہ کی مناسبت سے حسب ضرورت ومصلحت پہلے تیر، پھر نیزے اور اس کے بعد تلواروں سے کام لینا۔

کسی ماہر جنگ سے پوچھئے کہ فنی طور پر ان ہدایات کی کیا اہمیت ہے۔

جب جنگ شروع ہوگئی تو آپ اپنی قیام گاہ عریشہ سے اُس کی برابر نگرانی فرماتے رہے اور اگر کوئی ضرورت ہوئی تو فوراً آپ میدان میں پہونچ گئے اور صورت حال کی اصلاح کر دی،

چنانچہ منازلت کے بعد صفوں میں ذرا بے ترتیبی پیدا ہوگئی تھی، حضورؐ تشریف لائے اور صفیں درست کر دیں۔

مستشرقین کا اعتراف ہم نے اوپر جو اسباب فتح بیان کئے ہیں، مستشرقین بھی انھیں تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ پروفیسر مونٹگمری لکھتے ہیں:

"متعدد اسباب اور عوامل ہیں جو مل جل کر اس شاندار فتح کا باعث ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قریش میں آپس میں اتحاد نہیں تھا۔ جو لوگ لشکر سے الگ ہو گئے ان کی وجہ سے لشکر کی تعداد نو سو پچاس سے گھٹ کر چھ سو یا سات سو رہ گئی، اور ان میں بھی بہت سے لوگ دل سے ابوجہل کے طرفدار اور حامی نہیں تھے، پھر یہ لوگ اپنے سے متعلق حد سے زیادہ خود اعتمادی بھی رکھتے تھے، ایسے دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اسپرٹ دیکھنی چاہیئے، ان لوگوں کے عقیدۂ آخرت نے جنگ میں ان کو بہت زیادہ بہادر اور حوصلہ مند بنا دیا تھا، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعتماد نے ان میں خود اعتمادی کی روح بھر دی تھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جنگی قیادت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا، یہ وہ خاص اسباب ہیں جو مسلمانوں کی فتح کا باعث نظر آتے ہیں[1]۔

اسباب کونیہ انسان خلوصِ نیت سے اور فطرت کے قوانین طبیعی کے مطابق حسنِ عمل اور جد و جہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تو قدرت بھی اس کی تائید اور مدد کرتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ جس روز صبح کے وقت جنگ ہونے والی ہے اس سے پہلی شب میں اگر سپاہ کو نیند نہ آئے تو اس کی طبیعت کسلمند ہو جاتی ہے اور اس کا اثر جنگ

---

[1] Mohammad at Medinah P. 15.

کی حالت میں کچھ نہ کچھ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں اللہ کا فضل وکرم یہ ہوا کہ اس شب میں صحابہ کو نیند آگئی، صبح اٹھے تو لڑنے کے لئے تازہ دم تھے، دوسرا لطفِ خداوندی یہ ہوا کہ اسلامی لشکر جس میدان میں خیمہ فگن ہوا تھا اُس کی زمین پولی یعنی نرم تھی، فوج کے لئے چلنے میں دشواری تھی، فضل الٰہی یہ ہوا کہ بارش ہوگئی اور وہ بھی اتنی کہ زمین سنگلاخ ہوگئی، اس قدر زیادہ نہیں کہ کیچڑ ہوجائے اور چلنا دشوار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دونوں انعامات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ (انفال)

وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تم پر نیند تم کو سکون دینے کے لئے طاری کردی اور تم پر آسمان سے بارش نازل کی تاکہ وہ تم کو پاک صاف کردے، وسوسۂ شیطان سے تم کو دور کردے اور تمہارے دلوں کو مضبوط اور تمہارے قدموں کو غیر متزلزل بنادے۔

تقدیر کا غلط اور تباہ کن تصور

بدقسمتی سے مسلمانوں میں تقدیر کا جو غلط اور تباہ کن تصور عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جس نے ان کی قوت عمل کو شل اور مفلوج کردیا ہے اور جو ہمارے نزدیک نتیجہ ہے خلقِ افعالِ عباد کے بارہ میں اشاعرہ اور معتزلہ میں اختلاف کا اُس کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر ہم اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ اسباب تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) اسباب ظاہرہ، ان کا تعلق انسان کے اپنے عقیدہ اور عمل سے ہے، (۲) اسباب کونیہ، ان کا تعلق تکوینیات سے ہے اور اسباب معنویہ: ان کا تعلق خدا کی مشیت اور ارادہ سے ہے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک طالب علم کو گھر میں بہترین تربیت ملی ہے، کالج میں اُس کی تعلیم اور اُس سے متعلقہ امور کا نہایت اعلیٰ انتظام اور بندوبست ہے، پھر امتحان گاہ میں بھی اس کے لئے سکونِ قلب، یکسوئی اور دماغی راحت وآسائش کا مکمل اور خاطر خواہ انتظام واہتمام ہے لیکن باایں ہمہ امتحان میں اُس کی کامیابی اور ناکامیابی کا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ اس نے امتحان گاہ میں بیٹھکر پرچہ کیسا کیا ہے، اگر اس نے پرچہ اچھا کیا ہے اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو یہ اس کے سعی وعمل

کا نتیجہ ہے، لیکن ساتھ ہی خدا کی مدد (اسباب معنویہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طالب علم کو ذہانت دی، حافظہ دیا، صحت عطا فرمائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کے مواقع مہیا کئے۔ طالب علم کا کمال یہ ہے کہ اُس نے خدا کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھایا اور اپنے عمل اور جد وجہد کے ذریعہ خدا کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ اب پورا قرآن پڑھ جائیے، آپ دیکھیں گے کہ انسانی عمل اور جدوجہد اور اُس پر ثواب و عقاب سے متعلق اُس کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے، اس سلسلہ میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ غزوۂ بدر سے متعلق آیات میں ایک آیت ہے:
"وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" اکثر واعظین اس آیت کا نہایت غلط اور گمراہ کن مطلب بیان کرتے ہیں: ان کے نزدیک اسباب ظاہرہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

غزوۂ بدر کے نتائج یہ جنگ دینی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے نہایت اہم تھی۔ صرف تاریخ اسلام میں نہیں۔ بلکہ تاریخِ عالم میں اگر اس کو نیا موڑ اور ایک عظیم الشان انقلاب کا پیش خیمہ کہا جائے تو اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہوگا۔

اولاً دینی حیثیت کو لیجئے! جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں غزوۂ بدر کا مقصد ہرگز اہل مکہ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی شدید مخاصمت کا جواب دینا اور اپنے تبلیغ واشاعتِ اسلام کی آزادی اور حریت ضمیر کا حق حاصل کرنا تھا۔ لیکن بہرحال چونکہ یہ جنگ ہوئی تھی اسلام کے عنوان اور نام سے اس بنا پر دینی حیثیت سے اس سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے:

(۱) اس جنگ سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو لوگ سچے دل اور کمالِ خلوص وللّٰہیت سے اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بے سرو سامانی کے باوجود کیا کچھ نہیں کرسکتے!

(۲) قبائلی عصبیت عرب عہدِ جاہلیت کی سب سے بڑی گمراہی تھی۔ اس عصبیت کے باعث حق اور باطل، نیک و بد اور سچ اور جھوٹ کے درمیان وہ کوئی فرق اور امتیاز نہیں کرسکتے تھے، غزوۂ بدر نے اس عصبیت پر ضرب کاری لگائی، دنیا نے دیکھا کہ فرزندانِ توحید

اپنے ہی خاندان اور قبیلہ کے لوگوں اور قریبی اعزاد اقارب کے مقابلہ میں کس بے جگری سے لڑے ہیں، جذبۂ توحید سے سرشار ہوکر باپ نے بیٹے کی، بھائی نے بھائی کی، بھتیجے نے چچا کی اور خسر نے داماد کی ذرا پروا نہیں کی اور ایک کلمۂ حق کو سربلند و سرفراز کرنے کے لئے ہر اس چیز کو ٹھکرا دیا جو اس زندگی میں ہر انسان کو عزیز سے عزیز تر ہوتی ہے، مذاہب عالم کی تاریخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخری پیغمبر ہیں جنھوں نے شمشیر و سناں کی نوک زبان سے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کی شہادت پیش کی ہے آپ کا یہی وہ وصف خصوصی ہے جس کا اظہار آپ نے انا نبی الملحمۃ کہکر فرمایا ہے، دشمنوں کا برا ہو کہ انھوں نے اس نقرہ کا مطلب یہ نکالا ہے کہ پیغمبر اسلام خود اپنے بقول تلوار کے پیغمبر ہیں اور اس لئے اسلام تلوار سے پھیلا ہے، فالی اللہ المشتکیٰ۔ پروفیسر منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

> "جنگ بدر کا نہایت اہم نتیجہ یہ ہوا کہ پیغمبر اسلام میں خود اپنے متعلق اور ان کے قریبی ساتھیوں میں ان کی پیغمبری کے بارہ میں بہت گہرا یقین پیدا ہوگیا، انھوں نے سالہا سال شدید آلام و مصائب میں لبسر کئے تھے اور اس مدت میں اگر کوئی چیز ان کے لئے ڈھارس کی تھی تو صرف ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان تھا۔ اس بنا پر اب جنگ میں جو یہ شاندار فتح حاصل ہوئی تو اس سے ان کا عقیدہ اور مضبوط ہوگیا، کیونکہ کفار کو ان کے کئے کی جو یہ سخت سزا ملی ہے قرآن کی مکی آیات میں اس کی پیش گوئی پہلے ہی کردی گئی تھی" (ص ۱۶)

(۲) علاوہ ازیں غزوۂ بدر کا اہم سیاسی نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک اسلام دفاعی پوزیشن (defensive line) میں تھا لیکن اب اس نے اقدامی (Assertive) صورت اختیار کرلی۔ قریش جن کی شجاعت و دلیری، طاقت و قوت اور دولت و ثروت کا لوہا سارا عرب مانتا تھا اب اس کا جادو ٹوٹ گیا تھا۔ دوسرے قبائل اور خود مدینہ کے یہود اور منافقین کا اُس سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ اسلام نے اب یہ طے کرلیا تھا کہ بعض دھاوے

غدر وخیانت اور بغاوت وسرکشی کو اُس کے حیطۂ اقتدار میں کہیں سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ سیاسی حیثیت سے اب اسلام تحریک کے دوسرے دور میں داخل ہو رہا تھا جو اُس کا دورِ تطہیر و تنقیہ (Purging and) تھا جس کے بغیر کسی اسٹیٹ یا سوسائٹی میں استحکام (Stability) پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جیسا کہ آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ کعب بن اشرف یہودی کا قتل اور قبائل یہود کے ساتھ جو معاملہ ہوا، یہ سب کچھ اس دور کا طبعی تقاضا تھا، اسلام اب ایک اسٹیٹ تھا اور ہر اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ اندرونی سالمیت (Internal Security) اور بیرونی سالمیت (External Security) دونوں کا خیال رکھے، جو چیز دنیا کی ہر اسٹیٹ کا قانونی حق ہی نہیں بلکہ فرض ہو اسلام کی ریاست کو اُس سے کیونکر محروم رکھا جا سکتا ہے۔

غلطی کی تصحیح

گذشتہ ماہ جون کے برہان میں صفحہ ۳۳۲/۱۲ پر عربی کے جو دو شعر آئے ہیں، افسوس ہے ان کا ترجمہ غلط ہو گیا، صحیح ترجمہ یہ ہے: "تم لوگ زمانۂ امن میں تو حمارِ وحشی بن جاتے ہو، لیکن جنگ ہو تو دشمن کے مقابلہ میں حیض والی عورتیں ہو جاتے ہو۔"

(بشکریہ مولانا جلیل احسن صاحب۔ جامعۃ الفلاح، اعظم گڈھ)

گذارش: خریداری برہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلہ میں خط وکتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں تا کہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ اس وقت بے حد دشواری ہوتی ہے جب ایسے موقعہ پر آپ صرف نام لکھنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ (منیجر)